تاریخ وسیر

جناب غازی عزیز
(الخبر)

(قسط ۲)

امام غزالیؒ شریعت کی عدالت میں

"احیاء علوم" کی تائید میں علماء کی چند آراء:

حافظ زید الدین العراقی صاحب "الفیۃ" (م ۸۰۶ھ) جنہوں نے "احیاء علوم الدین" کی احادیث کی تخریج یعنی راوی اور حدیث کا درجہ اور اس کی حیثیت بیان کی ہے، کہتے ہیں کہ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اسلام کی اعلیٰ تصنیفات سے ہے۔ عبدالغافر فارسی، جو امام غزالی کے معاصر اور امام الحرمین کے شاگرد تھے، کہتے ہیں کہ احیاء العلوم کے مثل کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی۔ شیخ محمد گارزونی کا دعویٰ تھا کہ اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیے جائیں تو میں امام غزالی کی احیاء العلوم کی مدد سے ان تمام کو دوبارہ زندہ کر دوں گا۔" (تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء از شیخ عبدالقادر الحسنی)

مولانا شبلی کہتے ہیں:

"احیاء العلوم میں عام خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے، ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے، ہر بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے، ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے الخ۔"

(الغزالی، مصنفہ شبلی نعمانی ص ۳۳)

مولانا ابوالحسن علی الندوی صاحب کہتے ہیں:

"حافظ ابن الجوزیؒ نے بھی بعض باتوں سے اختلاف کے باوجود اس کتاب کی تاثیر اور مقبولیت کا اعتراف کیا ہے، اور اس کا خلاصہ "منہاج القاصدین" کے نام سے لکھا ہے[۳۳]۔"

[۳۳] استاذ محمود مہدی استانبولی کہتے ہیں، "امام ابن الجوزی نے اپنی کتاب "منہاج القاصدین" میں امام مقدسی

(تاریخِ دعوت و عزیمت، مصنفہ ابوالحسن علی ندوی ج ۱ ص ۱۴۷، ۱۸۴)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے احیاء العلوم کی اجمالی تعریف کی ہے اور لکھا ہے:

"كَلَامُهُ فِي الْإِحْيَاءِ غَالِبُهُ جَيِّدٌ"

یعنی "احیاء میں عموماً ان کا کلام اچھا ہے" (فتاویٰ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ)

ایک مقام پر حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"وَفِيهِ مَعَ ذٰلِكَ مِنْ كَلَامِ الْمَشَايِخِ الصُّوفِيَّةِ الْعَارِفِينَ الْمُسْتَقِيمِينَ فِي أَعْمَالِ الْقُلُوبِ الْمُوَافِقِ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا هُوَ أَكْثَرُ مِمَّا يُرَدُّ مِنْهُ فَلِهٰذَا اخْتَلَفَ فِيهِ اجْتِهَادُ النَّاسِ وَتَنَازَعُوا فِيهِ"

(فتاویٰ حافظ ابن تیمیہؒ ج ۲ ص ۱۹۴)

یعنی "ان تمام خامیوں کے باوجود احیاء میں ان مشائخ صوفیہ کا جو صاحب معرفت و استقامت تھے، اعمالِ قلوب کے بارہ میں بہت سا ایسا کلام ہے جو کتاب و سنّت کے موافق ہے اور جس کا اکثر حصہ قابلِ قبول ہے۔ اسی بناء پر اس کتاب کے بارہ میں علماء کی مختلف آراء ہیں اور سب اس کے مخالف نہیں ہیں۔"

مولانا ابوالحسن علی الندوی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"احیاء العلوم نری تنقیدی کتاب نہیں ہے، وہ اصلاح و تربیت کی ایک جامع اور مفصل کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے ایک ایسی کتاب تالیف کرنے کی کوشش کی ہے جو ایک طالب حق کے لیے، اپنی اصلاح و تربیت اور دوسروں کی تعلیم و تبلیغ کے لیے تنہا کافی ہو سکے،

نے اپنی کتاب "مختصر منہاج القاصدین" میں اور شیخ جمال الدین قاسمی نے اپنی کتاب "موعظۃ المومنین" میں احیاء العلوم کا خلاصہ پیش کیا ہے، اور خلاصہ کے ساتھ یہ کوشش بھی کی ہے کہ اس میں موجود ضعیف و موضوع احادیث نیز منحرف صوفیاء کی خرافات اور واہیات باتوں سے اس کو پاک کر دیا جائے فللّٰہ الحمد والمنۃ۔" (ابن تیمیہ، بطل الاصلاح الدینی ص ۲۵۳ مطبوعہ مکتبہ دار المعرفۃ بدمشق)

اور بڑی حد تک ایک وسیع اسلامی کتب خانہ کی قائم مقامی کر سکے اور دینی زندگی کا دستورِ عمل بن سکے۔ اس لیے یہ کتاب عقائد و فقہ، تزکیۂ نفس و تہذیبِ اخلاق اور حصولِ کیفیتِ احسانی (جس کے مجموعہ کا نام تصوّف ہے) تینوں شعبوں کی جامع ہے۔ اس کتاب کی ایک نمایاں صفت اس کی تاثیر ہے ..... ان حالات و کیفیات کا پڑھنے والوں پر بعض اوقات یہ اثر پڑتا ہے کہ دل دُنیا سے بالکل اچاٹ ہو جاتا ہے، زہد و تقشّف کا ایک شدید اور بعض اوقات غیر معتدل رجحان پیدا ہوتا ہے۔ خوف و ہیبت کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو کبھی کبھی صحت و مشاغل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ اس کا نتیجہ ہے کہ خود مصنّف پر اس کتاب کی تصنیف کے زمانہ میں ہیبت کا غلبہ تھا، اس لیے بہت سے مشائخ مبتدیوں کو اس کتاب کے مطالعہ کا مشورہ نہیں دیتے۔" الخ (تاریخ دعوت و عزیمت، مصنفہ ابو الحسن علی الندوی ج ۱ ص ۱۶۷)

ایک اور مقام پر مولانا ابو الحسن علی الندوی کتاب "احیاء العلوم" کے متعلق لکھتے ہیں:

"احیاء العلوم اس موضوع (اخلاقِ اسلامی اور فلسفۂ اخلاق) پر بھی ان کا ایک کارنامہ ہے۔ امراضِ قلب اور کیفیاتِ نفسانی پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی دقتِ نظر اور سلامتِ فکر کا نمونہ ہے۔" الخ (تاریخ دعوت و عزیمت، مصنفہ ابو الحسن علی الندوی ج ۱ ص ۱۶۸)

احیاء العلوم کے ناقدین کے چند اقوال:

حافظ امام ابن الجوزیؒ اپنی مشہور تصنیف "تلبیس ابلیس" میں لکھتے ہیں:

"ابو حامد غزالی نے آکر قوم صوفیہ کے طریقہ پر کتاب احیاء العلوم

- محدث کی توسیع اشاعت میں حصہ لینا آپ کا دینی فریضہ ہے۔
- پانچ خریدار مہیا کرنے پر آپ کو ایک سال کیلئے محدث مفت جاری کیا جائے گا۔
- نمونہ کا پرچہ ہر وقت طلب کیا جا سکتا ہے۔ (... منیجر)

تصنیف کی اور اس کو باطل حدیثوں سے بھر دیا جن کا بطلان وہ خود نہیں جانتے اور علم مکاشفہ میں گفتگو کی اور قانونِ فقہ سے باہر ہو گئے۔" (تلبیس ابلیس، مصنفہ حافظ ابن الجوزیؒ، ترجمہ مولانا عبدالحق ص ۲۵۵ مطبع فاروقی دہلی وکذا فی المنتظم ج ۹ ص ۱۶۹، ۱۷۰)

حافظ ابن الجوزی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"میں نے امام غزالی کی کتاب "الاحیاء" میں ایسی تاریخی فرو گزاشتیں اور اغلاط دیکھیں جن سے مجھے سخت حیرت ہوئی کہ انھوں نے کس طرح مختلف واقعات اور تواریخ کو آپس میں ملا دیا ہے۔ میں نے ان تمام تاریخی اغلاط کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے۔" (صید الخاطر لامام ابن الجوزیؒ ج ۳ ص ۴۰۶ وکذا فی المنتظم ج ۹ ص ۱۶۹، ۱۷۰)

اسی باعث مولانا ابوالحسن علی الندوی اعتراف کرتے ہیں کہ "امام غزالی کی نظر حدیث کی طرح تاریخ پر بھی بہت کم تھی۔" (تاریخِ دعوت و عزیمت، مصنفہ ابوالحسن علی الندوی ج ۱ مطبوعہ لکھنؤ)

حافظ ابن تیمیہؒ نے "احیاء العلوم" کی چار خامیوں پر خاص طور سے تنقید فرمائی ہے: ان کی پہلی تنقید اس پر ہے کہ اس میں فلاسفہ کے بہت سے ایسے اقوال آ گئے ہیں جو روحِ اسلام سے بعید ہی نہیں بلکہ اس کے منافی ہیں۔ توحید نبوت اور معاد سے متعلق بھی فلاسفہ کے خیالات و بیانات شامل ہو گئے ہیں۔

دوسری تنقید یہ ہے کہ اس میں بعض ایسے کلامی مباحث آ گئے ہیں جو کتاب و سنت کی روح کے مطلقاً مطابق نہیں ہیں۔ تیسری تنقید یہ ہے کہ اس میں اہلِ تصوف کے متشددانہ و منحرفانہ اقوال اور مغالطے موجود ہیں۔ چوتھی تنقید کے لائق چیز یہ ہے کہ احیاء میں بہت سی ضعیف احادیث و آثار بلکہ موضوع روایات تک موجود ہیں۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ج ۲ ص ۱۹۴ مختصراً و "التاج المکلل"، مصنفہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم ص ۳۸۸)

استاذ محمود مہدی استانبولی "احیاء العلوم" کے متعلق لکھتے ہیں:

"(امام) غزالی کی کتاب الاحیاء بھی احادیثِ ضعیفہ و موضوعہ سے خالی

نہیں ہے، بلکہ اس میں تو خاص مسئلہ توحید میں شریعت سے خروج پایا جاتا ہے، مگر بعض بشری امراضِ نفس کے علاج کے سلسلہ میں ان کے علم کا اعتراف لازم ہے۔" (ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی مصنفہ استاذ محمود مہدی ص ۲۵۳)

بعض ناقدین کے نزدیک "احیاء العلوم" میں امام صاحب نے صوفیاء سے متعلق بہت سی حکایات نقل کر دی ہیں جو باعثِ عبرت و اصلاح ہونے کے بجائے نہایت حیرت انگیز اور کہیں کہیں تو مضحکہ خیز بھی ہیں۔ جہاں تک ان الم غلم قصّے کہانیوں کا تعلق ہے، ان سب کو ماننے یا ان سے عبرت حاصل کرنے کا امتِ مسلمہ میں سے کسی کو مکلّف نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔ خود قرآن و سنتِ رسولؐ میں انسان کے لیے سامانِ عبرت وافر مقدار میں موجود ہے جس کا ہمیں شرعاً پابند اور مکلف نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ بقول صاحب المنتظم حافظ امام ابن الجوزیؒ نے احیاء العلوم کی بعض ان عبارات کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے جن میں امام غزالیؒ نے امراضِ قلب وغیرہ کے علاج کے سلسلہ میں اور نفس کشی اور اصلاحِ باطن کے لیے صوفیہ کے بعض ایسے واقعات و اقوال نقل کر دیے ہیں جو کسی طرح قابلِ تقلید نہیں ہیں، اور فقہی حیثیت سے ان کا جواز ثابت ہونا بھی مشکل ہے۔"

(المنتظم ج ۹ ص ۱۶۹)

احیاء العلوم کا جلایا جانا اور سلطنت اندلس کا زوال:

احیاء العلوم کی مذکورہ بالا خامیوں کے باوجود چونکہ یہ ایک مؤثر اور انقلابی کتاب تھی، اس لیے اس نے ہر حلقہ میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ کچھ نے آنکھیں بند کر کے اس کی تائید کی، کچھ نے اس کی خامیوں پر علمی تنقید کی اور خاموش ہو رہے اور کچھ نے آنکھیں بند کر کے اسکی مخالفت میں اپنا تمام زورِ بازو صرف کر دیا۔ لہٰذا کتاب کی شہرت و مقبولیت کے ساتھ ساتھ جابجا محاذ آرائی کی کیفیت بھی رونما ہوئی۔ استاذ محمود مہدی الستانبولی لکھتے ہیں:

"اس کی خامیوں کے باعث علمائے خراسان و عراق و مراکش (المغرب) کی ایک جماعت نے اس پر سخت کلام کیا اور بعض نے حد سے

زیادہ ناراضگی کے اظہار کے طور پر اسے جلا ڈالا" (ابن تیمیہؒ، لبطل الاصلاح الدینی لمحمود مہدی ص ۱۳۷)

مولانا شبلی نعمانی کی تحقیق اس سے چنداں مختلف ہے۔ وہ احیاء العلوم کے جلائے جانے کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں:

"امام صاحب کو ان باتوں پر تسلی نہ تھی، وہ دیکھتے تھے کہ موجودہ سلطنتوں کا سرے سے خمیر ہی بگڑ گیا ہے۔ اس لیے جب تک اسلامی اصول کے موافق ایک نئی سلطنت نہ قائم کی جائے اصل مقصد نہیں حاصل ہو سکتا لیکن امام صاحب کو ریاضت، مجاہدہ اور مراقبہ سے اتنی فرصت نہ تھی کہ ایسے بڑے کام میں ہاتھ ڈال سکتے تھے[1]۔ اتفاق یہ کہ جب احیاء العلوم شائع ہوئی اور وہ ۵۰۱ھ میں اسپین پہنچی تو علی بن یوسف بن تاشفین نے جو اسپین کا بادشاہ تھا، تعصب اور تنگدلی سے اس کتاب کے جلانے کا حکم دیا اور نہایت بیدردی سے اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ امام صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو سخت رنج ہوا۔"

(الغزالی، مصنفہ شبلی نعمانی)

بہر حال اسی اثناء میں اسپین سے ایک شخص امام صاحب کی خدمت میں تحصیلِ علم کے لیے آیا جس کا نام محمد بن عبداللہ تومرت تھا۔ یہ ایک نہایت معزز خاندان کا آدمی تھا ..... امام صاحب کی خدمت میں رہ کر اس نے تمام علوم میں نہایت کمال پیدا کیا اور اپنے ذاتی حوصلہ یا امام صاحب کی فیضِ صحبت سے یہ ارادہ کیا کہ اسپین میں علی بن یوسف کی سلطنت کو مٹا کر ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالے۔ یہ خیال اس نے امام صاحب کے سامنے پیش کیا، امام صاحب چونکہ خود ایک عادلانہ سلطنت کے خواہش مند تھے، اس رائے کو پسند کیا لیکن پہلے دریافت کیا کہ اس مہم کے انجام دینے کے اسباب بھی مہیا ہیں یا نہیں؟ محمد بن عبداللہ نے

---

[1] گویا امام صاحب کی نظر میں اسلامی مملکت کے قیام اور شریعتِ اسلامیہ کے باقاعدہ نفاذ کی کوشش کے بجائے ریاضت و مجاہدہ و مراقبہ میں ڈوبے رہنا زیادہ بہتر و افضل تھا۔

اطمینان دلایا تو امام صاحب نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی۔" (الغزالی للشبلی ومقدمہ ابن خلدون وطبقات الشافعیہ لابن السبکی)

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ خود امام غزالی نے اپنے شاگرد محمد بن عبداللہ بن تومرت کو علی بن یوسف بن تاشفین کی سلطنت کی بیخ کنی کے لیے آمادہ کیا تھا اور تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد اُسے اسپین بھیجا تاکہ وہ وہاں بغاوت کے لیے ایک خفیہ محاذ تیار کرے، چنانچہ محمد بن عبداللہ بن تومرت کی خفیہ کوششوں کے نتیجہ میں حکومت کا ایک باغی گروہ پیدا ہو گیا جس کے ہاتھوں علی بن یوسف بن تاشفین کی حکومت کا بصورتِ انقلاب خاتمہ ہوا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

امام غزالی اور مسئلہ نبوّت:

اس موضوع پر امام غزالی کی ایک کتاب "مدارج القدس فی مدارج معرفۃ النفس" ملتی ہے۔ استاذ فیض الرحمٰن نے نبوت کے موضوع پر اپنی کتاب کے ایک مقام پر امام غزالی کا موقف بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "نبوت کے متعلق امام غزالی کی فکر وہی ہے جو فلسفی ابن سینا کی تھی" (PROPHECY IN ISLAM) (النبوۃ فی الاسلام) مؤلفہ ڈاکٹر فیض الرحمٰن طبع لندن ۱۹۵۸ء۔ ڈاکٹر سلیمان دنیا نے بھی امام غزالی کی کتاب "معارج القدس فی مدارج معرفۃ النفس" سے کئی صفحات نقل کرنے کے بعد اس طرح تعاقب فرمایا ہے: "امام غزالی کی نظر میں یہ نبوت کے خواص[۵۳] ہیں، انہوں نے بھی انہی تینوں خواص کا ذکر کیا ہے، اور اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ ابنِ سینا

۵۳ ابنِ سینا نے نبوت کے تین قوٰی اور خواص بیان کیے ہیں: "اولاً، قوتِ قدسیہ، یہ قوت عقلِ نظری کے تابع ہوتی ہے، اس سے نبی دفعۃً واحدہ میں حدِ اول کے ادراک پر متمکن ہوتا ہے۔ ثانیاً، قوتِ خیالیہ یا قوتِ مخلیہ یا قوتِ تخیل و حس الباطن، اس قوت سے نبی علم پاتا ہے اپنے نفس کے ذریعہ سے، پس وہ اس کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ اس کو اپنے نفس کے اندر نورانی صورتیں دکھائی دیتی ہیں، یہ ملائکہ ہوتے ہیں۔ وہ آواز میں سنتا ہے، یہ کلام اللہ ہوتا ہے یا اس کی وحی۔ یہ تمام چیزیں اس جنس سے متعلق ہیں جو سونے والے کو خواب کی حالت میں حاصل ہوتی ہیں؛ اور اس جنس سے بھی جو بعض لوگوں کو بسبب ریاضاتِ روحیہ حاصل ہوتی ہیں اور اس جنس سے بھی جو بعض مجانین (پاگلوں) کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ ثالثاً،

بیان کر چکا ہے۔ اصح ہے کہ جس طرف رائے یا معنی میں وہ گیا ہے، امام غزالی نے اس کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ مجھے پسند نہیں کہ میں ان تمام باتوں کا ذکر کروں جس میں (ابن سینا اور امام غزالی) کا اتفاق پایا جاتا ہے کیونکہ وہ بحث دس لفظوں تک پہنچتی ہے۔" الخ (حقیقۃ فی نظر الغزالی لدکتور سلیمان الدنیا) استاذ فیض الرحمٰن کا قول ہے کہ "بے شک امام غزالی نے معارج القدس میں ابن سینا کی مطابقت کی ہے۔" (النبوۃ فی الاسلام، مؤلفہ دکتور فیض الرحمٰن ص ۹۵، ۹۶) یونانی فلسفیوں، بالخصوص ابن سینا کے نبوت کے متعلق موقف کو حافظ ابن تیمیہؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

"یونانی فلسفی نبوت کے مفہوم سے ناآشنا تھے اور انسان کی اصلاح کے لیے صرف ایک برتر ہستی کے قائل تھے۔ ان کے فلسفے کا سب سے بڑا ترجمان بوعلی سینا تھا جو نبی کے تین اوصاف پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نبی کا علم آسمان سے نہیں آتا بلکہ اس کے باطن سے ابھرتا ہے وہ غیر محسوس اشیاء کو دیکھ سکتا ہے اور عناصر میں تصرف کر کے معجزات دکھاتا ہے۔"

امام ابن تیمیہؒ نے ان تمام تصریحات کو باطل اور جاہلانہ قرار دیتے ہوئے ان کی تردید فرمائی ہے (ملاحظہ ہو کتاب النبوات لابن تیمیہؒ ص ۲۴۰)

قوتِ نفسانیہ، اس قوت سے نبی مادۂ عالم صفت میں تاثیر پر متمکن ہوتا ہے اور اس سے خوارق العادات چیزیں معجزات ظہور میں آتے ہیں۔" (کتاب الشفاء لابن سینا مختصراً) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے فلسفیوں، متکلمین اور صوفیوں کی بیان کردہ اس نبوت پر شریعت کی روشنی میں سخت تنقید فرمائی ہے اور فلسفیوں کے مذہب اور اہل سنت والجماعۃ کے مذہب کے درمیان فرق کو واضح فرمایا ہے۔ فجزاہ اللہ۔ اگرچہ آں موصوف رحمہ اللہ کی اس تنقید کو ان کی تصانیف میں جا بجا دیکھا جا سکتا ہے لیکن خاص اس موضوع پر آپ کی دو کتابیں قابل ذکر ہیں، "الصفدیہ" اور "کتاب النبوات"۔ الصفدیہ میں آپ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ معجزات انبیاء قویٰ نفسانیہ سے ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں فلسفیوں کی آراء کو پیش کر کے ان کی تردید کی گئی ہے۔ (الصفدیہ مخطوط) کتاب النبوات" میں آپ نے متکلمین کی آراء کو رد فرمایا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ "نبوت کے مسئلہ میں فلسفیوں کا اصل مذہب صابئہ اور باطنیہ، جن میں سے اخوان الصفاء اور ابن سینا گزرے ہیں، سے مستمد ہے۔" (النبوات لابن تیمیہؒ ص ۱۲۷، ۱۲۸) ۳۸؎ یہاں دس لفظوں سے مراد

امام غزالیؒ سے عقیدت رکھنے والے حضرات "معارج القدس" نامی کتاب کو امام غزالی کی طرف منسوب کرنے پر شک کا اظہار کرتے ہیں مگر محققین کا اصرار ہے کہ یہ امام غزالی کی ہی تصنیف ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن البدوی لکھتے ہیں:

"اس کتاب کی صحت نسبت (امام غزالی کی طرف کرنے میں جو تشکیک ہے وہ لایعنی ہے۔" (مؤلفات الغزالی، تالیف ڈاکٹر عبدالرحمٰن البدوی ص ۲۴۵، طبع المجلس الاعلیٰ لرعایۃ الفنون والآداب والعلوم الاجتماعیہ القاہرہ ۱۳۸۰ھ)

ڈاکٹر عبدالرحمٰن البدوی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ (امام) غزالی کی تمام دوسری کتب میں وارد شدہ باتوں سے کسی طرح کا اختلاف نہیں رکھتا ہے۔" (مولفات الغزالی للبدوی ص ۲۴۴)

ڈاکٹر سلیمان الدنیا نے امام غزالی کی مختلف کتب خصوصاً "معارج القدس" کے درمیان تشابہ کی وجہ ان کی فصول کا مختلف ہونا بیان کی ہے۔ (الحقیقۃ فی نظر الغزالی للدکتور سلیمان الدنیا ص ۹۳، ۹۵) ڈاکٹر عبدالرحمٰن البدوی نے کتاب "المعارج القدس" کی صحت نسبت پر اعتراض کرنے والوں کی تردید فرمائی ہے اور ان کی بھی جو امام صاحب کی کتاب المعارج القدس اور دوسری کتب بالخصوص جن پر اکثر باحثین متفق ہیں۔ مثلاً الاحیاء، الاقتصاد فی الاعتقاد اور میزان العمل وغیرہ، کے درمیان تشابہ کی وجہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ (مؤلفات الغزالی للبدوی ص ۲۰۲)

(جاری ہے)

ابن سینا کی کتاب "الاشارات والتنبیہات" ہے۔ ۳۹ھ ان لوگوں میں ڈاکٹر عثمان امین (ملاحظہ ہو مقالہ فی مہرجان الغزالی بدمشق ص ۱۳۴، ۱۳۵)، ڈاکٹر محمد ثابت الفندی (ملاحظہ ہو مقالہ فی مہرجان الغزالی بدمشق ۱۰۶، ۱۰۸) ڈاکٹر محمود قاسم (ملاحظہ ہو ان کی تالیف کردہ "کتاب فی النفس والعقل لفلاسفۃ الاغریق والاسلام ص ۱۴۵، ۲۰۳، ۲۰۹)، ڈاکٹر عبدالکریم عثمان (ملاحظہ ہو مقالہ فی مہرجان الغزالی ص ۶۶۱، ۶۶۵) اور ڈاکٹر محمد غلاب (ملاحظہ ہو ان کی کتاب "المعرفۃ عند مفکری المسلمین" ص ۳۲۷، ۳۲۸ کے نام قابل ذکر ہیں۔